عورت اقبال کے کلام میں[1]

مولوی شمس تبریز خان

جدید اردو شاعری میں غالبًا حالؔی و اقبالؔ ہی دو ایسے شاعر ہیں جن کے یہاں غزلوں میں صنفی آلودگی، عریانیت اور سطحیت نہیں ملتی، بلکہ اس کے بر خلاف عورت کے مقام واحترام اور اس کی حیثیت عرفی کو بحال کرنے میں ان دونوں کا بڑا ہاتھ نظر آتا ہے۔ اقبال عورتوں کے لئے وہی طرز حیات پسند کرتے تھے، جو صدر اسلام میں پایا جاتا تھا، جس میں عورتیں مروجہ برقع کے نہ ہوتے ہوئے بھی، شرم وحیا اور احساس عفت وعصمت میں آج سے کہیں زیادہ آگے تھیں، اور شرعی پردہ کے اہتمام کے ساتھ ساتھ زندگی کی تمام سرگرمیوں میں حصہ لیتی تھیں۔

۱۹۱۲ میں طرابلس کی جنگ میں جب اقبال کو اس کا ایک نمونہ دیکھنے کو ملا یعنی ایک عرب لڑکی فاطمہ بنت عبداللہ غازیوں کو پانی پلاتے ہوئے شہید ہوئی، تو انھوں نے اس کا زوردار ماتم کیا:

فاطمہ! تو آبروئے امتِ مرحوم ہے — ذرہ ذرہ تیری مشتِ خاک کا معصوم ہے
یہ سعادت حورِ صحرائی تری قسمت میں تھی — غازیانِ دیں کی سقائی تری قسمت میں تھی
یہ جہاد اللہ کے رستہ میں بے تیغ وسپر — ہے جسارت آفریں شوقِ شہادت کس قدر
یہ کلی بھی اس گلستانِ خزاں منظر میں تھی — ایسی چنگاری بھی یارب اپنی خاکستر میں تھی
اپنے صحرا میں بہت آہو ابھی پوشیدہ ہیں — بجلیاں برسے ہوئے بادل میں بھی خوابیدہ ہیں
فاطمہ! گو شبنم افشاں آنکھ تیرے غم میں ہے — نغمۂ عشرت بھی اپنے نالۂ ماتم میں ہے
رقص تیری خاک کا کتنا نشاط انگیز ہے — ذرہ ذرہ زندگی کے سوز سے لبریز ہے
ہے کوئی ہنگامہ تیری تربتِ خاموش میں — پل رہی ہے ایک قومِ تازہ اس آغوش میں

انھیں ہنرمندانِ ہند اور ایسے تمام فن کاروں سے شکایت تھی، جو عورت کے نام کا غلط استعمال کر کے ادب کی پاکیزگی، بلندی اور مقصدیت کو صدمہ پہونچاتے ہیں۔ وہ اپنی ایک نظم میں کہتے ہیں:

۱۔ از کتاب نقوشِ اقبال، تألیف مولانا ابوالحسن علی

چشم آدم سے چھپاتے ہیں مقامات بلند　　کرتے ہیں روح کو، خوابیدہ بدن کو بیدار
ہند کے شاعر وصورت گر و افسانہ نویس　　آہ بیچاروں کے اعصاب پہ عورت ہے سوار

وہ ''دخترانِ ملت'' سے خطاب کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مسلمان خاتون کے لئے دلبری اور بناؤ سنگار ایک معنی میں کفر ہے، بلکہ انھیں تو اپنی شخصیت، انقلابی فطرت اور پاکیزہ نگاہی سے باطل کی امیدوں پر پانی پھیر دینا چاہیے:

بہل ای دخترک این دلبری ہا　　مسلمان را نزیبد کافری ہا
منہ دل بر جمال غازہ پرور　　بیاموز از نگہ غارتگری ہا

وہ کہتے ہیں کہ مسلمان عورت کو پردہ کے اہتمام کے ساتھ بھی معاشرہ اور زندگی میں اس طرح رہنا چاہیئے کہ اس کے نیک اثرات معاشرہ پر مرتب ہوں اور اس کے پرتو سے حریم کائنات اس طرح روشن رہے، جس طرح ذات باری کی تجلی حجاب کے باوجود کائنات پر پڑ رہی ہے:

ضمیر عصر حاضر بے نقاب ست　　کشادش در نمود رنگ آب ست
جہان تابی ز نور حق بیاموز　　کہ او با صد تجلی در حجاب ست

وہ دنیا کی سرگرمیوں کو اصل ماؤں کی ذات کو قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان کی ذات امینِ ممکنات ہے، اور انقلاب انگیز مضمرات کی حامل۔ جو قومیں ماؤں کی قدر نہیں کرتیں، ان کا نظام زندگی سنبھل نہیں سکتا:

جہاں را محکمی را امہات ست　　نہادِشاں امینِ ممکنات ست
اگر این نکتہ را قومے نداند　　نظام کاروبارش بے ثبات ست

وہ اپنی صلاحیتوں اور کارناموں کو اپنی والدہ محترمہ کا فیض نظر بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آداب واخلاق تعلیم گاہوں سے نہیں ماؤں کی گود سے حاصل ہوتے ہیں:

مرا داد این خردپرور جنونے　　نگاہ مادرِ پاک اندرونے
ز مکتب چشم و دل نتوان گرفتن　　کہ مکتب نیست جز سحر و فسونے

وہ قوموں کی تاریخ اور ان کے ماضی وحال کو ان کی ماؤں کا فیض قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ماؤں کی پیشانیوں پر جو لکھا ہوتا ہے وہی قوم کی تقدیر ہوتی ہے۔

خنک آن ملتے کز واردانش قیامت ہا بہیند کائناتش
چہ پیش آید چہ پیش افتاد او را توان دید از جبین اُمہاتش

وہ ملّت کی خواتین کو دعوت دیتے ہیں کہ ملّت کی تقدیر سازی کا کام کریں اور ملّت کی شام الم کو صبحِ بہار سے بدل دیں۔ اور وہ اس طرح کہ گھروں میں قرآن کا فیض عام کریں کہ جیسے حضرت عمرؓ کی ہمشیرہ نے اپنی قرآن خوانی سے ان کی تقدیر بدل دی اور اپنے فن ولہجہ کے سوز وساز سے ان کے دل کو گداز کر دیا تھا:

ز شام ما برون آور سحر را بہ قرآن باز خوان اہلِ نظر را
تو می دانی کہ سوز قرأت تو دگرگون کرد تقدیر عمرؓ را

اقبال معاشرتی اور عائلی زندگی میں ماں کے مرکزی مقام کے قائل ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ خاندانی نظام میں جذبۂ امومت اصل کا حکم رکھتا ہے۔ اسی کے فیض سے نسل انسانیت کا باغ لہلہاتا رہتا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ جس طرح گھر سے باہر کی زندگی میں مردوں کو فوقیت حاصل ہے، اسی طرح گھر کے اندر کی سرگرمیوں میں عورت اور خصوصاً ماں کی اہمیت ہے۔ اس لئے کہ اس کے ذمہ نئی نسل کی داشت وپرداخت اور دیکھ بھال ہوتی ہے۔ انسان کا پہلا مدرسہ ماں کی گود ہوتی ہے۔ ماں جتنی مہذب، شائستہ اور بلند خیال ہوگی، بچہ پر بھی یہ اثرات اتنے ہی مرتب ہوں گے اور ایک اچھی اور قابل فخر نسل تربیت پا سکے گی:

وہ فیضان نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسماعیلؑ کو آداب فرزندی

اقبال کی نظر میں عورت کا شرف و امتیاز اس کے ماں ہونے کی وجہ سے ہے۔ جو قومیں امومت (حق مادری) کے آداب نہیں بجا لاتیں، ان کا نظام ناپائدار اور بے اساس ہوتا ہے، خاندانی امن و سکون درہم برہم ہوجاتا ہے، افراد خاندان کا باہمی اتحاد و اعتماد ختم ہوجاتا ہے، چھوٹے بڑے کی تمیز اٹھ جاتی ہے، اور بلآخر اقدار عالیہ اور اخلاقی خوبیاں دم توڑ دیتی ہیں۔ ان کے خیال میں مغرب کا اخلاقی بحران اسی لئے رونما ہوا ہے کہ وہاں ماں کا احترام اور صنفی پاکیزگی ختم ہوگئی ہے۔

وہ آزادئ نسواں کی تحریک کے اس لئے حامی نہ تھے کہ اسکا نتیجہ دوسرے انداز میں عورتوں کی غلامی ہے۔ اور اس سے ان کی مشکلات آسان نہیں اور پیچیدہ ہو جائیں گی۔ اور نتیجتاً انسانیت کا سب

سے بڑا نقصان یہ ہوگا کہ جذبۂ امومت ختم ہو جائے گا اور ماں کی ممتا کی روایت کمزور پڑ جائے گی۔ اسی لئے وہ کہتے ہیں کہ جس علم سے عورت اپنی خصوصیات کھو دیتی ہے، وہ علم نہیں بلکہ موت ہے۔ اور فرنگی تہذیب قوموں کو اسی موت کی دعوت دے رہی ہے:

تہذیب فرنگی ہے اگر مرگِ امومت ہے حضرتِ انساں کے لئے اس کا ثمر موت
جس علم کی تاثیر سے زن ہوتی ہے نازن کہتے ہیں اسی علم کو اربابِ نظر موت
بیگانہ رہے دیں سے اگر مدرسۂ زن ہے عشق و محبت کے لئے علم و ہنر موت

علم او بارِ امومت برنتافت برسرِ شاخش یکے اختر نتافت
این گل از بستانِ ما نارستہ بہ داغش از دامانِ ملت شستہ بہ

اقبال کے خیال میں آزادیٔ نسواں ہو یا آزادیٔ رجال یہ دونوں کوئی معنیٰ نہیں رکھتے، بلکہ مرد وزن کا ربط باہمی ایثار اور تعاون ایک دوسرے کے لئے ضروری ہے۔ زندگی کا بوجھ ان دونوں کو مل کر اٹھانا ہے اور زندگی کو آگے بڑھانا ہے۔ ایک دوسرے سے عدم تعاون کے سبب زندگی کا کام ادھورا اور اس کی رونق پھیکی ہو جائے گی۔ اور بالآخر یہ نوعِ انسانی کا نقصان ہوگا:

مرد و زن وابستۂ یک دیگرند کائنات شوق را صورت گرند
زن نگہ دارندۂ نارِ حیات فطرت او لوحِ اسرارِ حیات
آتش ما را بجانِ خود زند جوہر او خاک را آدم کند
در ضمیرش ممکناتِ زندگی از تب و تابش ثباتِ زندگی
ارجِ ما از ارجمندی ہای او ما ہمہ از نقشبندی ہای او

اقبال فرماتے ہیں کہ عورت اگر علم و ادب کی کوئی خدمت انجام نہ دے سکے، تب بھی صرف اس کی ممتا ہی قابلِ قدر ہے، جس کے طفیل میں مشاہیرِ عالم پروان چڑھتے ہیں۔ دنیا کا کوئی انسان نہیں ہے جو اس کا ممنونِ احسان نہ ہو!

وجودِ زن سے ہے تصویرِ کائنات میں رنگ اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوزِ دروں
شرف میں بڑھ کے ثریا سے مشتِ خاک اس کی کہ ہر شرف ہے اسی درج کا دُرِ مکنوں
مکالماتِ فلاطوں نہ لکھ سکی لیکن اسی کے شعلہ سے ٹوٹا شرارِ افلاطوں!

آزادیٔ نسواں کی تحریک سے مردوزن کا رشتہ جس طرح کٹا اور اس کے جو برے نتائج سامنے آئے، اقبال کی نظر میں اس کی ذمہ دار مغربی تہذیب ہے، ''مردفرنگ'' کے عنوان سے کہتے ہیں:

ہزار بار حکیموں نے اس کو سلجھایا مگر یہ مسئلہ زن رہا وہیں کا وہیں
قصور زن کا نہیں ہے کچھ اس خرابی میں گواہ اس کی شرافت پہ ہیں مہ و پرویں
فساد کا ہے فرنگی معاشرت میں ظہور کہ مرد سادہ ہے بیچارہ زن شناس نہیں

کوئی پوچھے حکیم یورپ سے ہند و یونان ہیں جس کے حلقہ بگوش
کیا یہی ہے معاشرت کا کمال مرد بیکار و زن تہی آغوش

اقبال پردہ کی حمایت میں کہتے ہیں کہ پردہ عورت کے لئے کوئی رکاوٹ نہیں ہے، وہ پردہ میں رہ کر تمام جائز سرگرمیوں میں حصہ لے سکتی ہے اور اپنے فرائض کی انجام دہی کرسکتی ہے کیونکہ خالق کائنات پس پردہ ہی کارگاہ عالم کو چلا رہا ہے، اس کی ذات تو حجاب قدس میں ہے لیکن اس کی صفات کی پرچھائیاں بحر و بر پر پھیلی ہوئی ہیں۔ مولانا آسیؔ نے خوب کہا ہے:

بے حجابی یہ کہ ہر شے سے ہے جلوہ آشکار
اس پر پردہ یہ کہ صورت آج تک نادیدہ ہے

اقبال عورت کو مخاطب کرتے ہیں کہ:

جہاں تابی ز نور حق بیاموز
کہ او با صد تجلّی در حجاب است

وہ پردہ کے مخالفوں کے جواب میں کہتے ہیں کہ پردہ جسم کا حجاب ہے۔ لہٰذا اسے عورت کی بلند صفات اور پنہاں امکانات کے لئے رکاوٹ کیسے کہا جاسکتا ہے؟ اصل سوال یہ نہیں ہے کہ چہرہ پر پردہ ہو یا نہ ہو، بلکہ یہ ہے کہ شخصیت، اور حقیقت ذات پر پردے نہ پڑے ہوں اور انسان کی خودی بیدار اور آشکار ہو چکی ہو:

بہت رنگ بدلے سپہر بریں نے خدایا یہ دنیا جہاں تھی، وہیں ہے
تفاوت نہ دیکھا زن و شو میں میں نے وہ خلوت نشیں ہے، یہ جلوت نشیں ہے
ابھی تک ہے پردہ میں اولادِ آدم کسی کی خودی آشکارا نہیں ہے

پردہ کی حمایت و تائید میں اقبال نے ''خلوت'' کے عنوان سے ایک نظم کہی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ پردہ کی وجہ سے عورت کو یکسو ہوکر اپنی صلاحیتوں کونسلوں کی تربیت پرصرف کرنے اور اپنی ذات کے امکانات کو سمجھنے کا موقع ملتا ہے، اس کے ساتھ ہی اسے سماجی خرابیوں سے الگ رہ کر اپنے گھر اور خاندان کی تعمیر کا سامان میسّر آتا ہے، گھر کے پُرسکون ماحول کے اندر اسے زندگی کے مسائل اور معاشرتی موضوعات کو سوچنے سمجھنے کی آسانیاں ملتی ہیں اور اس طرح وہ اپنے اور دوسروں کے لئے بہتر کارگزاری کرسکتی ہے:

رسوا کیا اس دور کو جلوت کی ہوس نے — روشن ہے نگہ آئینۂ دل ہے مکدّر
بڑھ جاتا ہے جب ذوقِ نظر اپنی حدوں سے — ہوجاتے ہیں افکار پراگندہ و ابتر
آغوشِ صدف جس کے نصیبوں میں نہیں ہے — وہ قطرۂ نیساں کبھی بنتا نہیں گوہر

خلوت میں خودی ہوتی ہے خود گیر و لیکن
خلوت نہیں اب دیر و حرم میں بھی میسّر

ایک بڑا معاشرتی سوال یہ رہا ہے کہ مرد و زن کے تعلق میں بالا دستی (upper hand) کسے حاصل ہو؟ اس لئے کہ دنیا کا کوئی بھی تعلق ہو اس میں کوئی ایک فریق شریک غالب کی حیثیت ضرور رکھتا ہے اور یہ اس کائناتی حقیقت پر مبنی ہے کہ ہر شہ اور ہر انسان ایک دوسرے کا محتاج ہے اور ہر ہر فرد ایک دوسرے کی تکمیل کرتا ہے خصوصاً مرد و زن کے تعلقات میں چند چیزوں میں مرد کو عورت پر فضیلت اور اولّیت حاصل ہے، اور یہ بھی کسی نسلی اور صنفی تفریق کی بنا نہیں بلکہ خود عورت کی حیاتیاتی، عضویاتی فرق اور فطرت کے لحاظ کے ساتھ اس کے حقوق و مصالح کی رعایت کے پیش نظر ہے۔

نگرانی اور ''قوّامیت'' ایسی چیز نہیں جو مرد اور عورت دونوں کے سپرد کر دی جاتی یا عورت کو دے دی جاتی۔ اقبال نے مغرب کے نام نہاد ''آزادیٔ نسواں'' کی پرواہ کئے بغیر عورت کے بارے میں اسلامی تعلیمات کی پرزور وکالت کی اور عورت کی حفاظت کے عنوان سے کہا:

اک زندہ حقیقت مرے سینہ میں ہے مستور — کیا سمجھے گا وہ جس کی رگوں میں ہے لہو سرد!
نے پردہ، نہ تعلیم، نئی ہو کہ پرانی — نسوانیت زن کا نگہباں ہے فقط مرد
جس قوم نے اس زندہ حقیقت کو نہ پایا — اس قوم کا خورشید بہت جلد ہوا زرد

یہ نظم درحقیقت حدیث شریف "لن يفلح قوم ولّوا عليهم امراة" کی ترجمانی ہے۔ اقبال نے

اپنی دوسری نظم میں فرمایا ہے :

جوہر مرد عیاں ہوتا ہے بے منتِ غیر　　غیر کے ہاتھ میں ہے جوہر عورت کی نمود
راز ہے اس کے تپِ غم کا یہی نکتۂ شوق　　آتشیں لذتِ تخلیق سے ہے اس کا وجود
کھلتے جاتے ہیں اسی آگ سے اسرار حیات　　گرم اسی آگ سے ہے معرکۂ بود و نبود
میں بھی مظلومیِ نسواں سے ہوں غمناک بہت　　نہیں ممکن مگر اس عقدۂ مشکل کی کشود

اقبال نے اس حدیث کا بھی حوالہ دیا ہے کہ ''جنت'' ماؤں کے قدموں تلے ہے۔ انھوں نے امومت کو رحمت کہا ہے، اور اسے نبوت سے تشبیہ دی ہے۔ ماں کی شفقت کو وہ پیغمبرؐ کی شفقت کے قریب کہتے ہیں، اس لئے کہ اس سے بھی اقوام کی سیرت سازی ہوتی ہے اور ایک ملت وجود میں آتی ہے:

آن یکے شمعِ شبستانِ حرم　　حافظ جمعیتِ خیر الامم
سیرت فرزندہا از امہات　　جوہر صدق و صفا از امہات
آنکہ نازد بر وجودش کائنات　　ذکر او فرمود با طیب و صلوٰۃ
گفت آن مقصودِ حرف کن فکان　　زیر پای امّہات آمد جنان
نیک اگر بینی امومت رحمت است　　زآنکہ او را با نبوّت نسبت است
شفقتِ او شفقت پیغمبرؐ است　　سیرت اقوام را صورت گر است
از امومت پختہ تر تعمیر ما　　در خط سیمای او تقدیر ما
آب بند نخل جمعیّت تویی　　حافظِ سرمایۂ ملّت تویی
ہوشیار از دست برد روزگار　　گیر فرزندانِ خود را در کنار

اخیر میں یہ بتا دینا ضروری ہے کہ اقبال حضرت فاطمہ زہرا (س) کو ملت اسلامیہ کی ماؤں کے لئے مثالی خاتون سمجھتے ہیں اور جگہ جگہ ان کی اتباع کی تاکید کرتے ہیں کہ وہ کس طرح چکی پیستے ہوئے بھی قرآن پڑھتی رہتی تھیں اور گھریلو کاموں میں مشکیزہ تک اٹھانے پر صبر فرماتی تھیں۔ اقبال کے خیال میں سیرت کی اسی پختگی سے حضرات حسنینؑ ان کی آغوش سے پرورش پا کر نکلے :

مزرع تسلیم را حاصل بتول　　مادران را اسوۂ کامل بتول
آن ادب پروردۂ صبر و رضا　　آسیا گردان و لب قرآن سرا

فطرتِ تو جذبہ ہا دارد بلند   چشم ہوش از اسوۂ زہرا مبند
تا حسینے شاخ تو بار آورد   موسمِ پیشیں بہ گلزار آورد!

اقبال مسلمان خاتون کو وصیت کرتے ہیں کہ:

اگر پندے ز درویشے پذیری   ہزار اُمت بمیرد تو نمیری
بتولے باش و پنہاں شو ازیں عصر   کہ در آغوش شبیّری بگیری!